بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

دسمبر 2019

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار کراچی

بانی و مدیر اعلیٰ محمود ریاض

مدیرہ —— رضیہ جمیل

مدیر منتظم —— آذر ریاض

مدیرہ اعزازی —— امت الصبور

فلاسٹی وژن —— شاہین رشید

اشتہارات —— خالدہ جیلانی

قانونی مشیر —— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی

ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

MEMBER APNS CPNE

دسمبر 2019

جلد 34 شمارہ 4

قیمت 70 روپے

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 8

حمد، غلام مصطفیٰ نعیمی 9

نعت، احمد رضا خان بریلوی 9

نبیﷺ کی باتیں، ادارہ 10

انٹرویو

دستک، شاہین رشید 20

میجر سید عمر فاروق، شاہین رشید 15

جب تجھ سے ناتا، م-و 24

ناول

شام کی حویلی میں، رخسانہ نگار عدنان 36

شہر تمنا، نعیمہ ناز 124

مکمل ناول

ماہی بے آب، عیناقاسم 176

ناولٹ

وہ نازنین، فرح بخاری 148

بامراد، نظیر فاطمہ 66

دادی کا راج دلارا، راشدہ رفعت 100

افسانے

یار دل دار، افشین نعیم 59

نانی کی کہانی، سنیعہ عمیر 90

آبلہ پائی، شمیم رانی 117

خوف ایک آئینہ، ماہ وش طالب 119

ڈور، شازیہ الطاف ہاشمی 145

رابطے ایسے بھی، عنیزہ اعجاز 232

نظمیں غزلیں

نظم، قتیل شفائی 236

غزل، عبدالحمید عدم 236

غزل، ندا فاضلی 237

غزل، شباس گل 237

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... -/700 روپے
ایشیاء افریقہ، یورپ ...... -/6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا _ -/7000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

بیرون ممالک مقیم اُردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصل کریں

تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہو گی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں کلک کریں

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	29	تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	252
مسکراہٹیں	ادارہ	238	آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	250
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	241	موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	256
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	243	خوبصورت بننے کا	ادارہ	258

[illegible]

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ [illegible]

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest. :om

رضیہ جمیل

پہلی شعاع

شعاع دسمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

موسم سرما کا آغاز ہو رہا ہے۔ ہلکی ہلکی خنکی لیے سرمئی شامیں اُتر رہی ہیں۔ اگرچہ کہ دن میں سورج کے تیور وہی ہیں آگ برساتا۔ جلتا تپتا ہوا سورج جون کی یاد دلاتا ہے۔

جب سے انسان نے فطرت کے قوانین میں مداخلت کی ہے، تب سے فطرت نے بھی اپنے اصلی رنگ چھپا لیے ہیں۔ موسم بھی جیسے کہیں کھو سے گئے ہیں۔ اب نہ وہ سرما کی ٹھٹھرتی راتیں ہیں نہ خزاں کی زرد دوپہریں، نہ بہار کے رنگ بھرے دن ہیں نہ گرما کی طویل شفق کی سرخی لیے شامیں اور روشنی بھرا سورج نکھرا نکھرا۔ آلودگی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

دسمبر کچھ کھونے کا، وقت گزرنے کا استعارہ ہے۔ سال کا آخری سورج دنیا پر الوداعی نظر ڈالتا یہ احساس دلاتا رخصت ہوتا ہے کہ زندگی کا ایک اور سال ہاتھ سے نکل گیا۔ ایک احساس زیاں ہے جو اداسی بن کر دل میں اترتا جاتا ہے۔

اس احساس زیاں کو ایک مثبت رُخ دے دیں۔

زندگی کے جو لمحات حاصل ہیں، ان کو بے مصرف باتوں، فضول جھگڑوں اور بے مقصد محبتوں اور نفرتوں کی نذر نہ کریں۔ اپنے آئینہ دل کو شفاف رکھیں۔ جو لوگ آپ کے ساتھ کسی بھی رشتے سے منسلک ہیں، خواہ وہ خون کا رشتہ ہو یا احساس کا۔ انہیں اپنے ساتھ جوڑ کر رکھیں۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ زندگی اتنی بے امان اور بے اعتبار چیز ہے کہ پتا نہیں چلتا کب، کون ہاتھ چھڑا کر خاموشی سے بہت دور نکل جاتا ہے۔

تب یہ گزرتا وقت۔ سالوں کا رخصت ہونا آپ کو اداسی کا احساس نہیں دلائے گا۔ محبتوں کے جگنو آپ کے دل میں روشنی بن کر جھلملائیں گے۔

سال نو نمبر۔ سروے

جنوری کا شمارہ سال نو نمبر ہوگا۔ اس میں حسب روایت قارئین سے سروے بھی شامل ہوگا۔ اس بار نئے سال کے موقع پر ہم اپنی قارئین سے ایک ہی سوال کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے۔

* ہر شخص کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے، کوئی خوبی یا کوئی خامی جو اسے دوسروں سے الگ اور منفرد شناخت دیتی ہے۔ آپ میں اور آپ سے منسلک گھر والوں اور دوستوں میں بھی کچھ ایسی باتیں ہوں گی۔ سروے کے لیے ہمارا سوال ہے کہ اپنا اور اپنے گھر والوں کا قارئین سے تعارف کرائیں۔ اپنے اور ان کے بارے میں لکھیں۔

اس شمارے میں،

- رخسانہ نگار عدنان کا ناول۔ شام کی حویلی میں، ، نعیمہ ناز کا ناول۔ شہر تمنا،
- عنیزہ قاسم کا مکمل ناول۔ ماہی بے آب، ، فرح بخاری، راشدہ رفعت اور نظیر فاطمہ کے ناولٹ،
- افشین نعیم، سنیعہ عمیر، شمیم رانی، ماہ وش طالب اور شازیہ الطاف ہاشمی کے افسانے،
- میجر سید عمر فاروق سے ملاقات، ، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین کے تجربات، ، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- خط آپ کے، باتوں سے خوشبو آئے، تاریخ کے جھروکوں سے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

رواں سال کا یہ آخری شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔

حمد
باری تعالیٰ

جاری خدا کا نام ہوا زبان سے
آواز آئی بندے میرے لامکاں سے

کیوں نہ رہوں میں ذاتِ خدا سے امیدوار
لاتقنطو کا امر ہے آیا قرآن سے

رونق دوبالا ہوگئی حرم جلیل کی
لات و منات نکلے خدا کے مکان سے

سرکار دوجہاں بھی تھے مانگتے پناہ
ستر دفعہ ہر روز ہی رب جہان سے

تیرے لیے ہیں خوشیاں ہر شان آن بان
محفوظ رکھنا یا خدا ہر امتحان سے

غلام مصطفیٰ نعیمی

نعت
رسول مقبولؐ

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے
جس راہ چل گئے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے، آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیے ہیں

اسرا میں گزرے جس دم بیڑے پہ قدسیوں کے
ہونے لگی سلامی، پرچم جھکا دیے ہیں

آنے دو یا ڈبو دو، اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہیں پہ چھوڑی، لنگر اٹھا دیے ہیں

دولہا سے اتنا کہہ دو، پیارے سواری روکو
مشکل میں ہیں براتی، پرخار بادیے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں

امام احمد رضا خان بریلوی

ادارہ

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

اجتہاد

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

''جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے، پھر اجتہاد سے وہ درستی کو پہنچ گیا تو اس کے لیے دگنا اجر ہے اور جب وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔''
(بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ جن معاملات میں کوئی نص شرعی نہ ہو، ان کی بابت ان سے ملتی جلتی شکلوں کو سامنے رکھ کر جواز و عدم جواز کا فیصلہ کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ اجتہاد وہی شخص کرتا ہے جسے قرآن و حدیث کی صحیح سمجھ ہو۔

2۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے حاکم، قاضی اور مجاز افسر کو قرآن و حدیث کا عالم ہونا چاہیے، تاکہ حسب ضرورت وہ اجتہاد کر سکے۔ اس اجتہاد میں وہ اخلاص اور نیک نیتی سے کام لے گا، تو اس کے لیے ہر صورت میں اجر ہے، بلکہ درستی کی صورت میں دہرا اجر ہے۔

بخار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''بخار، جہنم کی شدید حرارت سے ہے۔ چنانچہ تم اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔'' (بخاری و مسلم)

فوت شدہ کے روزے

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے (نذر کے) روزے ہوں تو اس کا قریبی اس کی طرف سے روزے رکھے۔'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی رو سے فوت شدہ شخص کے ذمے روزے ہوں تو پسندیدہ بات اس کی طرف سے روزہ رکھنے کا جواز ہے۔ اور ولی سے مراد قریبی عزیز ہے، چاہے وہ وارث ہو یا نہ ہو۔

فوائد و مسائل:

شیخ البانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نذر کے روزے ہیں نہ کہ رمضان کے روزے۔ گویا شیخ موصوف نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کے عموم کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری حدیث سے خاص کر دیا، جس میں نذر کے روزوں کی صراحت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں، جس طرح زندگی میں کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے کوئی بدنی عبادت ادا نہیں کر سکتا، اسی طرح موت کے بعد بھی ایسا کرنا جائز نہیں۔ البتہ جس کی بابت نص میں صراحت ہو تو اس میں نیابت جائز ہوگی اور اسے صرف نص کی صراحت کی حد تک محدود رکھا جائے گا، جیسے نذر کے روزوں کی بابت حدیث میں صراحت ہے کہ میت کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے تو نذر کے روزے میت کی طرف سے رکھنے جائز ہوں گے، کوئی اور بدنی عبادات اس کی طرف سے جائز نہیں ہوگی۔

نذر

حضرت عوف بن مالک بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سودے یا عطیے کے بارے میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیتی تھیں، کہا۔

''میری خالہ، (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یا تو اس طرح (بے دریغ) خرچ کرنے سے رک

میجر سید عمر فاروق سے ملاقات

شاہین رشید

ہم تو اپنی فوج کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اور ہمارے فوجی اکثر سرحدی جھڑپوں میں شہید بھی ہوجاتے ہیں......

لیکن وہ زخمی بھی ہوتے ہیں۔ مشکلات کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ گھر والوں کی جدائی بھی برداشت کرتے ہیں اور کس جذبے کے تحت وہ فوج کا شعبہ اپناتے ہیں اس سے ہم سب ناواقف ہوتے ہیں۔

اس بار دل چاہا کہ سیلبریٹیز کے انٹرویوز تو بہت کرلیے۔ کبھی ان کے بھی انٹرویو کریں جو خاموشی کے ساتھ وطن اور وطن میں رہنے والوں کی حفاظت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ جنہیں شہرت اور کسی ایوارڈ کی کوئی طلب نہیں ہوتی۔ انہیں طلب ہوتی ہے تو صرف اس بات کی کہ ان کا ملک اور ملک کے عوام آزادی کے ساتھ جئیں اور ہمارا وطن تا قیامت قائم ودائم رہے......

ملاقات کیجیے ''میجر سید عمر فاروق'' صاحب سے۔ یہ وطن کا وہ سپوت ہے۔ جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ فرائض کی ادائیگی میں گزارا اور بہت بار حادثات کا شکار ہوئے۔ ایک بار دھماکے کے باعث بینائی متاثر ہوئی اور ایک اور حادثے میں بری طرح زخمی ہوئے۔ جس کی وجہ سے چہرہ متاثر ہوا۔ آج کل چہرے کی ''سرجری'' ہورہی ہے ان کی......

''کیسے مزاج ہیں آپ کے...... طبیعت کیسی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ طبیعت بھی ٹھیک ہے۔ لاسٹ ایکسیڈنٹ میں میری سماعت بہت متاثر ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے آپ کے سوالات سننے میں دشواری ہوئی...... لیکن خیر، میں نے اپنی آپی سے مدد لے لی ہے۔''

''اوہو......سوری۔ مجھے بتاتے تو میں سوال لکھ کر سینڈ کردیتی......؟''

''چلیں، کوئی بات نہیں...... آپ نے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں پوچھا ہے تو میں آپ کو بتاؤں کہ میرا نام ''سید عمر فاروق گیلانی'' ہے۔ مگر حلقہ احباب میں ''سید شاذل شاہ گیلانی'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں...... میں 5 جنوری 1992ء میں سواگ شریف فتح پور تحصیل کروڑ لعل عین ضلع لیہ'' پنجاب میں پیدا ہوا۔ اور الحمدللہ، میں ایک مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتا ہوں۔ سلسلہ عالیہ سواگ شریف چونکہ علاقے میں ایک مذہبی اہمیت کا حامل ہے تو اس لحاظ سے ہم لوگ ''مریدین'' کا بھی ایک وسیع حلقہ رکھتے ہیں۔ ایک کزن ''فیض الحسن'' سواگ علاقے کی مشہور معروف سیاسی شخصیت ہیں۔ اور متعدد بار ممبر قومی اسمبلی بھی منتخب ہوچکے ہیں......

بہن بھائیوں کی تعداد میں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں اور میرا نمبر تیسرا ہے۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں ہیں اور دو چھوٹی۔ گیارہ اپریل 2013 کے دن ایک ٹریفک حادثے میں میرے والد اور دونوں چھوٹی بہنوں کی موقع پر ہی وفات ہوگئی۔ جبکہ اس حادثے میں والدہ کو شدید چوٹیں آئیں۔ جن کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ کچھ عرصہ زیر علاج رہنے کے بعد 10 اکتوبر 2013 میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

میری دونوں بڑی بہنیں ڈاکٹر ہیں اور شادی شدہ ہیں ملک سے باہر رہتی ہیں۔ یعنی ایک جرمنی میں ہیں اور ایک اٹلی میں رہتی ہیں۔ میں نے ابھی شادی نہیں کی اور نہ ہی ابھی ایسا کوئی ارادہ ہے۔ جس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں شادی

دستک، دستک دستک

شاہین رشید

زرنش خان

"کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"زہے نصیب" میں بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ؟"

"بہت شکریہ۔"

"وہیل چیئر بڑی مہارت سے چلاتے ہوئے دکھایا گیا۔ چلانی آتی تھی کیا؟"

"نہیں، چلانی تو نہیں آتی تھی۔ لیکن پریکٹس کی تو آ گئی اور بس...... کوئی مشکل یا پریشانی نہیں ہوتی۔"

"2015ء سے آپ اس فیلڈ میں ہیں۔ "سسرال میرا" سے فنی زندگی کی شروعات کیں۔ ایسا ہی ہے نا؟"

"جی...... بالکل ایسا ہی ہے۔ "سسرال میرا" سے فنی زندگی میں قدم رکھا۔ پہلی ہی سیریل سے کامیابی ملی۔ اور پھر آفرز آتی چلی گئیں...... مطلب یہ کہ "سسرال میرا" بہت ہٹ گیا تھا اس لیے یہی ڈرامہ میرے لیے سب کچھ ہے۔ ورنہ پہلا سیریل تو "محبت اب نہیں ہوگی" تھا۔"

"اچھا...... ہوں...... اب تک کتنے سیریلز کر چکی ہیں؟"

"کافی ہیں...... مثلاً "عشق زہے نصیب" تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں، اس کے علاوہ "دے اجازت"، "سن یارا"، "سسرال میرا"، "صحرا میں سفر" یہ بھی پاپولر ہوا تھا۔ "من چلی"، "لاج"، "محبت اب نہیں ہوگی"، "استانی جی"، اور شاید دو چار اور ہیں جو ابھی یاد نہیں آ رہے۔"

"فلم کا رخ نہیں کیا آپ نے؟"

"نہیں...... کیونکہ میری ایک فیملی لائف ہے۔ اور مجھ پر اس کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی بہت ہی اچھا اسکرپٹ ہاتھ آیا اور اچھی آفر آئی تو ضرور کروں گی۔ ابھی تو میں ڈراموں میں زیادہ مصروف ہوں۔"

"گڈ...... زرنش خان! کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟"

"جی...... میرا پورا نام زرنش خان ہے اور زرنش کا مطلب "پھول" ہے۔ میرے گھر والے اور میری کلوز فرینڈز مجھے "زی" کہہ کر پکارتی ہیں۔ میں لاہور میں 1993 میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بہن بھائی ہیں یعنی تین بہنیں اور ایک بھائی۔ سب مجھ سے بڑے ہیں میرا نمبر آخری ہے۔ الحمد اللہ شادی ہو چکی ہے۔ دبئی میں رہتی ہوں اور کام کے سلسلے میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔"

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

م۔و

شادی کو موتی چور کے لڈو سے تشبیہ دی جاتی ہے کہ شادی موتی چور کا وہ لڈو ہے جو کھائے وہ بھی پچھتائے جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے مگر اس سے قطع نظر اب تک جو میرا وقت گزرا ہے، وہ بلاشبہ بہت اچھا اور یادگار وقت ہے (جو کہ مجھے بڑھاپے میں بہت یاد آئے گا) اب تک کی پانچ سالہ شادی شدہ زندگی میں کچھ تلخیاں بھی ہیں مگر اتنی نہیں کہ تمام عمر یہ یاد رہیں کیونکہ الحمدللہ میرا زندگی کا ساتھی بہت ہی پیار کرنے والا اور خیال رکھنے والا انسان ہے۔ میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ سسرال جیسی بھی ہو، شوہر اگر ساتھ دینے والا ہے تو زندگی گلزار ہے۔"

س: "شادی کب ہوئی؟"

ج: "27 مئی 2011ء کو ہوئی۔"

س: "شادی سے پہلے کے مشاغل؟"

ج: "وقاص کو SMS کرنا ہاہاہا۔

مشاغل تو بہت سے تھے۔ رسالے پڑھنا، سونا اور بھی بہت سے مگر جب یہ میری زندگی میں آئے تو بس پھر تمام مشغلے ہی ختم ہو گئے۔ رسالے بہت پڑھتی تھی (اب بھی پڑھتی ہوں مگر اتنے نہیں) پہلے ایک دن میں ایک ڈائجسٹ پڑھ کر فارغ۔ اب بچوں کے ساتھ کم ٹائم ملتا ہے مگر پڑھتی ضرور ہوں۔"

س: "رشتے میں مرضی؟"

ج: "جی مرضی شامل تھی اور امی ابو نے پوچھا بھی تھا۔ ایک بار نہیں دو، تین بار کہ کیا تم راضی ہو؟ کیونکہ وقاص کی امی (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) ذرا سخت مزاج اور اصول پرست خاتون تھیں۔ ابو کی سگی خالہ تھیں۔ اس لیے ابو ان کے مزاج آشنا تھے۔

"کیا تم گزارا کر لو گی؟" یہ سوال پوچھا تھا انہوں نے تو میں نے اپنی بڑی بہن سے مشورہ لیا، کہ کیا کروں؟ وقاص خود بہت سوفٹ اور کول مائنڈڈ تھے تو بہن نے کہا۔

"تم کر لو گی مینج۔" میری ساس تیرہ سال سے فالج کی مریض تھیں، ان کی بیماری نے ان کو ایسا کر دیا تھا مجھے اپنی بہن کے الفاظ آج بھی یاد ہیں جب میرے پوچھنے پہ اس نے کہا تھا کہ۔

"مدیحہ وہ ایک بیمار خاتون ہیں زندگی کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔ کیا پتا اللہ تم سے ان کی خدمت کروا کر تمہیں اجر سے نوازنا چاہتا ہو۔ اس بات کو لے کر انکار مت کرنا کہ وہ ایسی ہیں اور کسی بات پہ کرنا چاہو تو تمہاری مرضی۔" اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا میری شادی کے دو سال کے بعد ان کی وفات ہو گئی تھی اور کوئی بات انکار کے لیے تھی ہی نہیں کیونکہ میں وقاص کی طرف سے تو مطمئن تھی اس لیے ہاں کر دی میں جانتی تھی کہ رشتہ صرف وقاص کی مرضی پر کیا جا رہا ہے۔ اور یہ بات ضرور کہوں گی کہ پسند کی شادی کی اسلام میں بالکل اجازت ہے اگر طریقہ درست ہو تو۔ اور الحمدللہ میں اپنے فیصلے پر بہت خوش بھی ہوں۔"

س: "جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟"

ج: "ان سے ملنے سے پہلے تو یہ ہی تصور تھا کہ بہت محبت کرنے والا اور بہت اچھا اور بہت امیر بندہ ہو۔ جو ہر ٹین ایج لڑکی سوچتی ہے۔ ان میں تمام خوبیاں تھیں بس آخری نہیں تھی۔ انہوں نے پوچھا تھا مجھ سے کہ "میری تنخواہ اتنی ہے۔ میں لمبی چوڑی فرمائشیں پوری نہیں کر سکوں گا۔"

تب میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ اتنی خوبیاں

آپ میں موجود ہیں۔ میں کم تنخواہ میں بھی گزارا کرلوں گی اور الحمد اللہ بہت خوش ہوں۔ کیونکہ جان گئی ہوں کہ پیسہ اہم نہیں بلکہ انسان کا خلوص اہم ہے۔"

س: "منگنی کتنا عرصہ رہی؟"

ج: "دو سال رہی اور بہت یادگار ٹائم تھا۔ دو سال میں چار عیدیں آتی ہیں اور چاروں عیدوں پر وقاص نے کوئی ارمان نہیں رہنے دیا۔ عیدی کے حوالے سے اور بڑی نند جو کہ میری چاچی بھی ہیں اور اب بہت اچھی دوست بھی، انہوں نے ساس کی جگہ ہر ارمان پورے کیے کیونکہ وہ خود نہیں آسکتی تھیں تو وقاص، شہلا اور آنٹی آتے تھے عیدی دینے (وقاص اکلوتے بیٹے ہیں اپنے امی ابو کے اور لاڈلے بھی بہت تھے۔)"

س: "شادی کے لیے قربانی؟"

ج: "قربانی تو ہر عورت کو دینی پڑتی ہے تب ہی تو گھر بنتے ہیں۔ سسرال آکر بس اپنی نیند قربان کی۔ پہلے سال بھر تو مجھے سکون کی نیند ہی نہیں آتی تھی کہ کہیں سوتی ہی نہ رہ جاؤں اور دیر ہو جائے۔ الارم سے بھی پہلے آنکھ کھل جاتی رفتہ رفتہ ٹھیک ہوگئی۔ غصے کی تیز بھی بس غصہ میں خاموش ہو جاتی ہاں بعد میں وقاص پہ اتارتی ہاہاہا۔ آج تک یہ اس بات پہ چڑتے ہیں کہ تمہارا غصہ ختم نہیں ہوا اور میرا جواب۔ "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا سوچ لیں مجھے بہت غصہ آتا ہے آپ نے ہی کہا تھا کوئی بات نہیں بس تم سے ہی شادی کرنی ہے۔"

س: "رسموں پہ جھگڑا؟"

ج: "نہیں۔ کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ سب کچھ

رخسانہ نگار عدنان

شام کی جوت میں

کشف اپنے پرانے طرز کے گھر سے شدید بے زار ہے اور وہ اپنی آنی سے ہزار بار کہہ چکی ہے کہ وہ اس گھر سے جان چھڑالیں لیکن وہ ہر باراس کی بات ہنس کرٹال دیتی ہیں۔ کشف گلیوں سے گزرتے خوانچا فروشوں سے بھی سخت بے زار رہتی ہے اور انہیں حسب توفیق بددعاؤں سے نوازتی رہتی ہے۔

طاہرہ بیگم کا اپنے گھر پر کافی ہولڈ ہے۔ ان کی بہوسونیا اور بیٹا آزر دونوں ہی ان کے فرماں بردار ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ ان کی مرضی سے طے ہو۔

جبکہ رداا پنے آفس میں کام کرنے والے جبران سے محبت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ وہ اس کا رشتہ لے کر آئے۔

دوسری جانب کشف کا پڑوسی اسے چھیڑتا ہے اور وہ اس کے پاؤں پر اینٹ دے مارتی ہے۔ بعد میں اسی لڑکے کی ماں سے بھی خوب جھگڑا کرتی ہے۔

زینب شاعری کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں بھی پڑھاتی ہے وہ اپنا مسودہ حیدر کے پاس لے کر جاتی ہے تا کہ وہ سرفراز سے بات کر کے اسے چھپوا سکیں۔

آفس سے واپسی پر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور وہیں تیز برستی بارش میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہے جہاں ڈاکٹر موحد تین بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے لیکچر

دے رہے ہیں۔اور ہال میں تمام لوگ ساکت ہو کر سن رہے ہیں۔

کشف، ناہید کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ناہید کو زینب کی فکر ستاتی ہے اور وہ بارش سے بھی خوف زدہ ہیں۔کشف انہیں کہتی ہے کہ زینب فون نہیں اٹھا رہی۔ناہید اس سے بتول خالہ سے کیے گئے جھگڑے کے بارے میں پوچھتی ہیں اور اسے سمجھاتی ہیں۔

میر و خزاں کے موسم میں اپنی گاڑی میں موجود ہے اور کسی کی یاد ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے۔وہ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے اگر کبھی ناراض ہوئی تو میر و اسے منالے۔وہ ان سوچوں میں الجھا چلتا چلا جاتا ہے۔

موحد راستے میں رش دیکھ کر اترتا ہے اور سامنے بے ہوش پڑی زینب کو دیکھ کر اسے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔

آذر کو ایک فون کال آتی ہے اور وہ عجلت میں آفس سے باہر نکلتا ہے۔زینب کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہ پا کر کشف شدید پریشان ہو جاتی ہے۔سہیل اپنے طور پر پتا کروالیتا ہے اور اسکول بھی چکر لگا آتا ہے۔لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں ہوتی۔وہ حیدر کو فون کرتی ہے وہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔کچھ دیر بعد اس کے فون پر موحد کی کال آتی ہے۔اور وہ اسے زینب کے بارے میں بتاتا ہے۔

دوسری طرف زینب کو ہوش آتا ہے اور موحد اسے جانا پہچانا لگتا ہے۔وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہے اور گھر جانے کا کہتی ہے۔اور موحد سے اس کے باپ کا نام بھی پوچھ لیتی ہے۔موحد اسے اس کے گھر چھوڑ کر آتا ہے۔جہاں کشف کے ساتھ بلال بھی موجود ہوتا ہے۔باتوں کے دوران بتول خالہ آجاتی ہیں اور ماں بیٹی کے کردار پر الزام تراشیاں کرتی بکتی جھکتی بلال کے ڈرانے پر گھر سے نکل جاتی ہیں۔

آذر، ردا کو لے کر گھر پہنچتا ہے جہاں پورا گھر ردا کی غیر حاضری کے باعث پریشان ہے۔ردا اپنے کمرے میں جاتی ہے جہاں رمشا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔سونیا اس کے کمرے میں آتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ردا حیران رہ جاتی ہے۔

میر و دیوار میں کیل ٹھونک رہا ہوتا ہے جب وہ عورت چیختے ہوئے آتی ہے اور اس سے جھگڑتی ہے۔اس حسین عورت کی طرف میر و شرمندگی سے دیکھتا اس کی بدزبانی سنتا ہے۔تبھی ان کی بیٹی آتی ہے اور اس کا سرخ لباس دیکھ کر وہ عورت پھر سے چیختا چلانا اور آخر میں رونا شروع کر دیتی ہے۔

وہ نوجوان لڑکی ماں کی اس حالت سے شدید الرجک ہے اور کہتی ہے کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔جبکہ وہ عورت چلاتے چلاتے میر و کے گریبان میں چہرہ چھپا لیتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے دور نہ جائے۔

دادی، شائستہ کو فون کر کے کہتی ہیں کہ آذر اور سونیا کو اس رشتے پر اعتراض نہیں۔وہ بیس دن بعد نکاح رخصتی کی تاریخ رکھ لیتی ہیں جبکہ دروازے میں کھڑا آذر یہ سن کر ساکت رہ جاتا ہے۔

آذر اپنی ماں سے کہتا ہے کہ انہیں رشتہ طے کرنے سے پہلے کم از کم ردا کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔لیکن وہ بات کو یوں گھماتی ہیں کہ آذر چپ رہ جاتا ہے۔

کشف آنی سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے۔وہ اسے ساری تفصیل بتاتی ہے۔میر منصور باہر گیا اور وہاں جا کر دوسری شادی کر لی۔کشف ضدی لہجے میں کہتی ہے کہ وہ ان سے ضرور ملے گی۔

سونیا، ردا سے پوچھتی ہے کہ برسات میں کیا ہوا تھا۔وہ کہتی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔پھر وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور جبران سے ہی شادی کرے گی۔سونیا اسے زوردار تھپڑ مارتی ہے۔سونیا، آذر کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی شادی کے لیے راضی نہیں۔

حیدر، زینب سے ملتا ہے تو وہ اسے کشف کے رویے کے بارے میں بتاتی ہے۔

کشف خیالوں میں گم بس میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔اڈے پر پہنچ کر وہ چونکتی ہے اور گھبرا کر رہائشی علاقے کی طرف آجاتی ہے۔جہاں حمزہ اسے سونیا کے گھر ڈراپ کر دیتا ہے۔کشف کی موجودگی سے آذر بے سکون ہوتا ہے۔

میر منصور، ایما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بدتمیزی کرتی ہے جواباً وہ اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ایما پولیس بلا لیتی

افشین نعیم

یار دل دا

تقی سبحان صاحب (عادل کے باس) کے بیٹے کا ولیمہ تھا۔انہوں نے بڑے اصرار سے سارے اسٹاف کو آنے کی تاکید کی تھی۔

جس کے نتیجے کے طور پر عادل اور تین اور اسٹاف ممبرز نے اسلام آباد سے ایبٹ آباد تک آنے جانے کے لیے گاڑی کی بکنگ کروائی تھی۔ وہ پہلی مرتبہ ایبٹ آباد آیا تھا، یہ علاقہ اس کو بے انتہا پسند آیا تھا۔

"ہنی مون منانے کے لیے یہ ایک بہترین

جگہ ہے۔'' یوں ہی ایک آوارہ سا خیال ذہن میں آیا اور اسے گدگداتا ہوا جس تیزی سے آیا ہے اسی تیزی سے گزر گیا۔

ذہن میں آنے والا خیال اگرچہ، اختیاری نہیں تھا پھر بھی اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا، یوں جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

روشنیوں سے جگمگاتا، ہال...... جس میں ایک طرف خواتین کا پورشن مختص کر دیا گیا تھا۔ دوسری طرف مرد حضرات تشریف فرما تھے۔ درمیان میں کسی قسم کی پارٹیشن کر کے مزا کرکرا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔

زرق برق ملبوسات میں اپنے حسن کی بجلیاں گراتی حسینائیں، ان کو فرصت سے تاڑتے سوٹڈ بوٹڈ مرد۔

اونچی آواز میں بجتا میوزک......

اشتہا انگیز کھانوں کی مہک......

ہر طرف لگے شیشوں میں نظر آتے، لہراتے ہوئے رنگین آنچل ہر طرف پھیلا ہوا بے ہنگم قسم کا شور۔

بہت عرصے کے بعد وہ ایسی کسی تقریب میں شریک ہوا تھا، سو سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

تب ہی اسے اپنے عقب میں ایک نقرئی قہقہہ فضا میں جلترنگ سی بکھیرتا ہوا، کچھ چونکا گیا۔

پلٹ کر دیکھا، اس کے عقب میں ایک ستون لگا ہوا تھا جس کے دوسری طرف دو یا غالباً تین لڑکیاں تصویریں کھنچوا رہی تھیں۔ ان لڑکیوں کی پشت عادل کی جانب تھی۔ سو کمر پر بکھری زلفیں ہی نظر آسکیں پھر وہ آوازیں دور ہوتی گئیں۔

عادل بھی اپنے موبائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''اچھا، تم لوگ چلو، میں اس طرف ایک سیلفی لے کر آتی ہوں۔'' آواز اتنی مانوس تھی اور اس قدر قریب سے آئی تھی کہ بلا ارادہ ہی عادل کی نگاہ اس جانب اٹھی۔

اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ بوکھلاہٹ میں موبائل بھی گرتے گرتے بچا۔ ستون کے پیچھے ہونے کی وجہ سے وہ لڑکی، عادل کے وہاں ہونے سے بالکل لاعلم تھی۔ سو بالکل اچانک ہی اس کی نظر بھی عادل کی طرف اٹھی۔ شناسائی کے رنگ اس کی آنکھوں میں بھی اترے۔

☆☆☆

دو ماہ کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد آج، آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔

محب اللہ اور احسن کی مسلسل کالز پر کالز آ رہی تھیں۔ اس نے موبائل سائلنٹ پر لگا کر چھوڑ دیا تھا۔

بہت دیر تک وقفے وقفے سے موبائل بجنے کے بعد بالآخر خاموش ہو گیا تھا۔

نہال بھائی اور بھابھی کے ساتھ آخری معرکہ وہ پچھلے اتوار کو سر کر کے آیا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر، ہمارا جینا مرنا تمہارے ساتھ ختم۔''

یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے نہال بھائی کے منہ سے سنی تھی اور سن کر بڑے غیر جذباتی سے انداز میں کندھے اچکائے تھے۔ پر آج یہ سب یاد کر کے جانے کیوں بار بار آنکھوں میں مرچیں سی بھرتی جا رہی تھیں۔

وہ جتنا آنکھوں میں آیا پانی صاف کرتا، اتنا ہی اور آ جاتا۔

''میرا خیال ہے اگر میں آنکھوں کے ساتھ ایک عدد پائپ فکس کروالوں تو آج ہی آج میں دو تین بالٹیاں تو ضرور بھر جائیں گی۔''

اپنے اس خیال کو اس نے خود ہی بہت انجوائے کیا اور ایک بے ساختہ سا قہقہہ حلق سے برآمد ہوا۔ جس کو اس نے روکنے کی ہرگز کوشش نہیں کی۔ عین اسی لمحے حیدر لاؤنج سے اندر داخل ہوا۔

''یہ تو کیوں اکیلا بیٹھا اتنے بے ہنگم قسم کے قہقہے لگا رہا ہے۔'' حیدر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں کہ میں گھر میں اکیلا ہی تھا، اب تو آ گیا ہے نا۔ آ مل کر لگاتے ہیں بے ہنگم قہقہے۔'' عادل آنکھیں صاف کرتا ہوا بولا۔

''پر، تیری آنکھیں تو کچھ اور ہی، کہانی سنا رہی

ناولٹ

کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور مدیحہ تہ شدہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ چہرے پر شدید غصہ تھا۔ منیب جو دکان پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کپڑے بیڈ پر رکھ کر سیدھی ہوئی۔

''کیا بات ہے؟ اتنا غصے میں کیوں ہو؟'' منیب نے پلٹ کر اپنا والٹ اور موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا۔

''تمہیں نہیں پتا' کیا ہوا ہے؟'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''اگر وہی بات ہے جو میں سمجھ رہا ہوں تو مجھے یہ بتاؤ، اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے؟'' منیب اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ سانولی' دبلی پتلی سی مدیحہ کا چہرہ غصے کی حدت سے دہک رہا تھا۔

''کیوں نہیں ہے؟'' مدیحہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ سرخ وسفید رنگت، گھنگھریالے بال، چمک دار براؤن آنکھیں۔ اونچا لمبا منیب جس کے سامنے مدیحہ بالکل ہی عام سی لگتی تھی جیسے چاند کے سامنے مدھم تارا۔

''میرے نزدیک تو بالکل نہیں ہے۔'' منیب نے بے نیازانہ انداز اپنایا۔

''ابو کے احسانوں کا بدلہ اتارنا چاہتے ہو ایسا کر کے؟'' مدیحہ کا لہجہ سخت تھا۔

''ماموں کے میرے اوپر جتنے احسانات ہیں ان کا بدلہ انھیں صرف اللہ دے سکتا ہے۔ ان کے احسان اتارنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ میں احسان اتارنے کی کوشش ضرور

نظیر فاطمہ

بامراد

کر سکتا ہوں۔" منیب کا لہجہ بہت ہموار تھا۔ وہ سینے پر بازو لپیٹ کر اسے سنجیدگی سے دیکھے گیا۔

"اور یہ بھی احسان اتارنے کی ہی ایک کوشش ہے۔ میں تمہیں بتا رہی ہوں، مجھے تم سے ہرگز شادی نہیں کرنی۔ تم جا کر ابو کو انکار کرو ابھی۔" مدیحہ اس کی بات سن کر سلگ اُٹھی۔

"میں تو نہیں کروں گا انکار، تمہیں اعتراض ہے تو تم کرو جا کر انکار۔" منیب نے ہری جھنڈی دکھائی۔ ہر معاملے میں مدد کرنے والا منیب اس وقت یوں لاتعلق ہوا کہ مدیحہ سے برداشت نہ ہو سکا۔

"تم!" مدیحہ غصے سے آگے بڑھی اور کچھ نہ بن پڑا تو بستر پر اس کے تہ شدہ کپڑے جو اس نے خود وہاں رکھے تھے ان کو ہاتھ مار کر ادھر اُدھر گرایا اور تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ منیب نے ایک نظر بکھرے ہوئے کپڑوں پر ڈالی اور کندھے اچکا کر باہر نکل گیا۔ جانتا تھا تھوڑی دیر میں آ کر وہ کپڑے دوبارہ تہ لگا کر الماری میں رکھ جائے گی کہ کسی بھی قسم کی بے ترتیبی اس کی برداشت سے باہر تھی۔

☆☆☆

"زیبا! اُٹھ جاؤ اب۔ نو بج گئے ہیں۔ دیکھو ذرا جا کر محلے میں کوئی لڑکی ابھی تک سو رہی ہے بھلا۔ لڑکیاں بالیاں گھروں کے سب کام نمٹا چکی ہیں اور تم ابھی تک بستر پر پڑی اونگھ رہی ہو۔" اماں نے زیبا کو آواز دی مگر وہ گہری نیند میں تھی، آواز کہاں سنائی دیتی۔

"زیبا! اُٹھ جاؤ اب نہیں تو میں ماروں گی تمھیں۔" اماں نے تنگ آ کر اسے جھنجوڑ کر زبردستی بستر پر بٹھا دیا۔

"کیا ہے اماں! سونے تو دیا کرو آرام سے۔" زیبا نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا۔ قبل اس کے کہ وہ جو بیٹھے بیٹھے ڈول رہی تھی۔ دوبارہ لیٹ جاتی۔ اماں نے اس کے کندھے پر زور سے چپت لگائی۔

"اٹھو شرافت سے منہ دھو کر آ جاؤ ناشتا کرنا ہے تو پھر میں نہیں بنا کر دوں گی، دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کرنی ہے مجھے تمہیں پتا ہے دوپہر کو کھانا تمہارے ابا کی دکان پر بھجوانا ہوتا ہے۔" اماں نے آخری وارننگ دی تو اسے اُٹھنا ہی پڑا۔ ورنہ دوپہر تک بھوکا رہنا پڑتا۔ زیبا جھومتی جھامتی اُٹھی۔ چپل پیروں میں پھنسا کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

"یہ دوپٹہ تو لیتی جاؤ۔" اماں نے پیچھے سے آواز دی اور اس کا دوپٹہ بستر سے اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ زیبا نے دوپٹا کھینچ کر کندھے پر ڈالا اور باہر نکل گئی۔

"اس لڑکی نے تو پریشان کر رکھا ہے مجال ہے کوئی کام سیدھا ہو اس کا۔" اماں بڑبڑا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

زیبا منہ ہاتھ دھو کر آئی تو اماں نے انڈا پراٹھا اور دودھ پتی کا مگ اس کے سامنے رکھا۔ وہ باورچی خانے میں چوکی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور اطمینان سے ناشتہ کرنے لگی۔

"ناشتا کر کے اپنے کمرے اور صحن کی صفائی کر لینا باقی میں کر چکی ہوں۔" زیبا نے ناشتہ کرتے کرتے سر ہلایا۔ وہ نیند کی کچی تھی ویسے کافی پھرتیلی لڑکی تھی، کام منٹوں میں کر لیتی تھی مگر اس کے لیے جاگنا ضروری تھا اور وہ نیند کی اتنی رسیا تھی کہ دو منٹ ٹک کر بیٹھتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتی۔ ابا کی لاڈلی، دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ ابا اس کے بہت لاڈ اُٹھاتے۔ بھائی ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتے۔ اماں کو ان سب کے لاڈ ایک آنکھ نہ بھاتے۔ ان کے خیال میں لڑکی ذات کو اتنا سر پر چڑھانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

ناشتا کر کے زیبا باہر صحن میں آئی۔ ان کا یہ گھر اندرون لاہور میں واقع تھا۔ جو پرانی طرز پر انتہائی شان دار طریقے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مین دروازے کے ساتھ ڈیوڑھی تھی۔ ڈیوڑھی کے ساتھ بڑا سارا غسل خانہ، اس کے بعد کھلا صحن پھر دائیں جانب کچن، کچن کے بعد برآمدہ اور برآمدے کے عقب میں دو بڑے کمرے تھے جن کے دروازے

سنیعہ عمیر

نانو کی کہانی

پچھلے دنوں ٹی وی پر کرتار پور راہداری کے متعلق خبریں چل رہی تھیں۔ دل جھٹ سے اس وقت کی سمت چلا گیا جب دونوں پنجاب ایک ہوتے تھے۔ تب اباجی نے کرتار پور سے فرنیچر بنوایا تھا۔

سکھ کاریگر کی تراشی لکڑی پر مسلمان کے ہاتھ سے ہوئی نقاشی کو ہندو کاریگر پالش کر کے چمکاتا تھا۔ کیا معلوم امرتسر ہائی وے پر لکڑی کے فرنیچر کا وہ بازار اب بھی قائم ہو مگر ہم تو ہجرت کر کے وہ تمام گلیاں چھوڑ آئے۔ اصلی لکڑی کا ٹھوس فرنیچر وہیں رہ گیا اور اس پر ہوئی نقاشی دل پر نقش ہو کر ساتھ آ گئی۔

نہ جانے ڈاکٹر کیوں کہتے ہیں کہ مجھے بھولنے کی بیماری ہو گئی ہے۔ جبکہ مجھے تو سب یاد ہے۔ میرا نام مبینہ عرف بینا ہے پر اب یہ نام کوئی نہیں لیتا۔ سب خالہ امی نانی دادی بڑی دادی ماں بڑی نانو کہتے ہیں۔ میں جالندھر میں پیدا ہوئی۔ قیام پاکستان کے وقت مجھے دسواں سال لگا تھا۔ یعنی کوئی نو برس میں نے اس دور میں گزارے تھے۔ جو اب تاریخ کی کتابوں کا نادر حصہ ہے۔ البتہ آج کیا تاریخ ہے کوئی مجھ سے نہ پوچھے، میری امی کپڑے سلائی کرتی تھیں تو کفایت شعاری کے تحت بچی ہوئی کترنیں ایک تکیے کے پرانے غلاف میں بھرتی جاتی تھیں۔ میرا دماغ بھی وہ پوٹلی نما غلاف ہو گیا ہے سب گڈمڈ ہے۔ کبھی کھنگالنے سے بھی مطلوبہ چیز نہیں ملتی کبھی بنا چاہے ہی مخمل زدہ کپڑوں جیسی یادیں نکل آتی ہیں۔ چلو پھر ہاتھ ڈالتی ہوں نہ جانے اس پوٹلی میں سے آج کیا نکلے۔

☆☆☆

امین الدین کی حویلی کی راہداری جتنی لمبی تھی، اس سے لمبی قطار اس کی بیٹی نگہت کے ہاتھ مانگنے والوں کی تھی۔ سترہ سال کی بلی آنکھوں سنہری رنگت والی نگہت کو خدا نے یقیناً فرصت سے بنایا تھا۔ یہ خاندان جالندھر میں آباد — تھا مگر ان کی امارت اور خوشحالی کے چرچے دور دور تک سنے سنائے جاتے تھے۔ نگہت سے چھوٹا بھائی ہاشم الدین تھا۔ تگڑا جسم اونچا قد۔

سولہ سال کی عمر میں ہی اس کا پیر ماں کے برابر ہو گیا تو ماں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسی وقت سیر بھر مٹھائی منگوا کر سارے محلے میں بانٹی کہ بیٹا بڑا ہو گیا ہے۔ ماں کی تو بوڑھی چرچراتی ہڈیاں بھی بچوں کی محبت میں ناچ اٹھتی ہیں اور یہ تو وہ زمانہ تھا، جب چودہ پندرہ سال کی لڑکیاں بیاہ دی جاتی تھیں۔ بیگم امین بھی بچوں کی بڑی بہن لگتی تھیں۔

نگہت کی بات پکی ہونے کے شادیانے بجے تو شہر بھر میں ان کا رتبہ مزید بلند ہو گیا۔

ہونے والی ساس کو بات پکی ہونے پر ہی سونے کے کڑے ڈالے گئے۔ کالے گھنے گیسوؤں میں روشن مانگ چمکتی آنکھیں، سب کہتے تھے نگہت کا نصیب بھی اس کے روپ جیسا روشن ہوگا۔ لیکن قسمت نہ تو ہتھیلیوں میں قید ہوتی ہے نہ پیشانیوں پر رقم، نگہت کا انجام بھی ایسا معمہ بن گیا جو شاید روز قیامت ہی حل ہو۔

☆☆☆

میری باجی رقیہ سادہ لوح گھریلو تھیں جبکہ میں ہوشیار اور خوب پھرتیلی روڑا چھپانا، آنکھ مچولی، گیٹے، بنٹے سب کھیلتی تھی۔ اکثر رات کو سہیلیوں کے ساتھ جگنو پکڑتی، ان دنوں پورا علاقہ ہی گھر جیسا محفوظ ہوا کرتا تھا۔ امی کپڑے سے گڑیا سی کر دیتیں تو اپنے ہی

بال کنگھی سے نکال نکال کر ان کے سر پر لگا دیتی۔
مسلمانوں اور ہندوؤں کا اسکول الگ تھا مگر ہمارے کورس میں بھی رام سیتا اور کنگ ایڈورڈ کی کہانیاں ہوتی تھیں۔ ہمارے اسکول کی پرنسپل عالم جان بڑی لڑکیوں سے اسکول سے ملحقہ اپنے گھر کے کام کرواتی تھیں۔ لڑکیاں ڈر کے مارے منہ پر چپ رہتیں مگر پیٹھ پیچھے خوب مذاق اڑاتی تھیں۔

"عالم جان چبے پان، مارے مکی کڈے جان"
عالم جان چبائے پان، مارے مکا نکالے جان

مجھے بھنک لگی تو میں نے ابا جی کو شکایت کر دی۔
ابا جی عبادت گزار انسان تھے۔ بڑے عہدے ہندوؤں کو ملتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے نوکری سے آس نہ لگائی اور بسوں کا کاروبار کر لیا۔
جالندھر میں ہماری بسیں چلتی تھیں۔ ہم خود پگواڑہ

ناولٹ

تخلیق کا جانگسل کرب جھیل کر فاخرہ نے گل گوتھنے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ بیٹے کی پیدائش پر وہ تو خوش تھی سو تھی اس کی ساس رابعہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وارڈ کی سب نرسوں میں مٹھائی تقسیم کرنے کے ساتھ ان میں پیسے بھی بانٹے تھے۔ اپنی کنجوسی کی حد تک کفایت شعار ساس کا یہ روپ فاخرہ کے لیے حیران کن تھا۔

''لگتا ہے بہت منتوں مرادوں والا بچہ ہے۔ شادی کے کتنے عرصے بعد بچہ ہوا ہے باجی۔''

ایک آیا نے فاخرہ سے پوچھا تھا۔ اسی وقت رابعہ بیگم بھی قریب آ گئیں۔

''ہمارے گھر پورے اٹھائیس برس بعد اللہ نے تحفہ بھیجا ہے۔ یہ لو دو سو روپے، تم اپنے بچوں کے لیے بھی مٹھائی لے جانا۔''

رابعہ بیگم نے بٹوا کھول کر سو، سو کے دو نوٹ اس آیا کو بھی تھما دیے۔ وہ آیا حیران ہو کر ان کا منہ تکنے لگی۔ اسے اٹھائیس برس والی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ فاخرہ تو خود بمشکل پچیس، چھبیس برس کی لگتی تھی۔

راشدہ رفعت

دادی کا راج دلارا

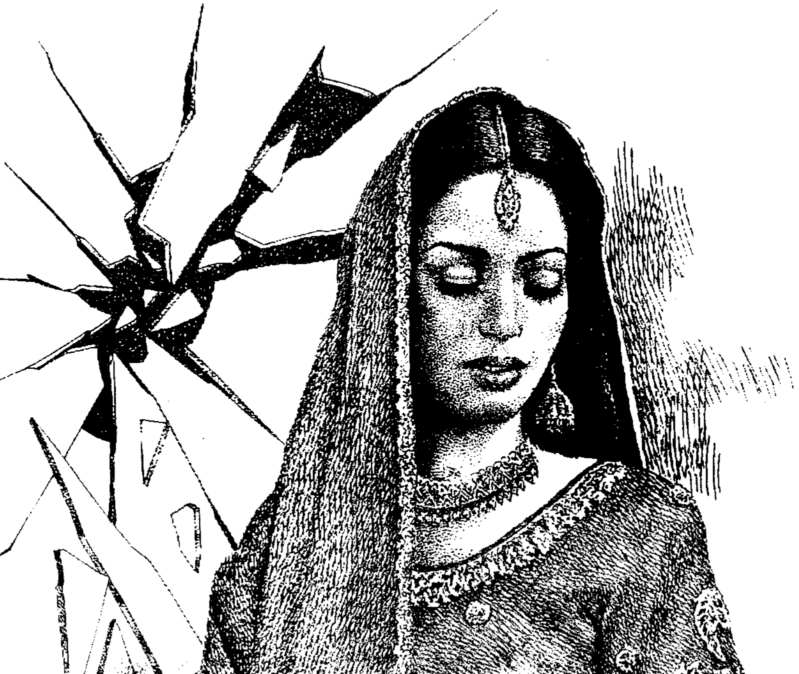

''اٹھائیس برس قبل میرے میاں کی پیدائش ہوئی تھی اور آج اماں کے پوتے نے جنم لیا ہے۔''

فاخرہ نے مسکرا کر آپا کو مخاطب کیا۔ وہ اثبات میں گردن ہلا کر نومولود بچے کو دعاؤں سے نوازنے لگی تھی۔

فاخرہ کی امی بھی وہیں موجود تھیں۔ سمدھن کو بے تحاشا خوش دیکھ کر وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

''ڈاکٹر سے میری بات ہوگئی ہے۔ دو گھنٹے بعد فاخرہ کو ڈسچارج کردیں گے۔ آپ اجازت دیں تو فاخرہ کو میں اپنے ہاں لے جاؤں۔''

نگہت بیگم نے سمدھن سے پوچھا۔ قرین قیاس یہ ہی تھا کہ وہ فاخرہ کو میکے بھیجنے پر ہامی بھرلیں گی۔

وہ جوڑوں کے درد میں مبتلا تھیں، گھر کا سارا کام فاخرہ نے سنبھالا ہوا تھا۔ ساس، بہو کے علاوہ گھر میں ہوتا بھی کون تھا۔ عارف تو صبح گھر سے نکلتا تو رات گئے لوٹتا تھا۔ گھر کے کاموں کے ساتھ زچہ اور بچے کی نگہداشت کرنا رابعہ بیگم کے بس کی بات کہاں تھی۔ یہ ہی سوچ کر نگہت بیٹی کو میکے لے کر جانا چاہ رہی تھیں۔

ویسے بھی اس نے نو ماہ سے میکے کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ رابعہ بیگم حد سے زیادہ وہمی خاتون تھیں۔ انہیں شہر کے دوسرے سرے پر موجود فاخرہ کا میکہ دنیا کا دوسرا کنارہ لگتا تھا۔ شہر کی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر اس دوران سفر سخت بے احتیاطی والی بات تھی۔ انہوں نے فاخرہ کے گھر والوں کو کہہ دیا تھا، کہ وہ جب چاہیں ہنسی خوشی بیٹی سے آ کر مل جائیں، لیکن فاخرہ بچے کی پیدائش سے پہلے ان سڑکوں پر گاڑی کے ہچکولے کھانے نہیں جائے گی۔ ساس کا حکم فاخرہ پر بہت گراں گزرا تھا لیکن سرتابی کی مجال ممکن نہ تھی۔ پھر ماں نے بھی سمجھایا۔

''تمہارے بھلے کو ہی تو کہہ رہی ہیں رابعہ بہن! ورنہ یہ تھوڑی ہے کہ وہ تم پر میکے والوں سے ملنے کی کوئی قدغن لگا رہی ہیں۔ پندرہ بیس دن میں میں خود تمہارے پاس چکر لگا لیا کروں گی۔''

نگہت نے بیٹی کو پچکارا تھا۔ فاخرہ دل مسوس کر رہ گئی۔ ماں بے شک مل جاتی تھی لیکن وہ میکے میں جا کر رہنے کا متبادل تو نہ تھا۔

فاخرہ بھرے پرے کنبے سے تعلق رکھتی تھی۔ ماں، باپ، بھائی، بھاوجیں، ڈھیروں بھتیجے، بھتیجیاں، تین شادی شدہ بہنیں جو قریب قریب بیاہی تھیں اور چھٹی والے دن ماں کے آنگن میں اکٹھی ہوتی تھیں۔ سسرال تو فاخرہ کا بھی اسی شہر میں تھا۔ فاصلہ قدرے زیادہ — ہفتے نہ سہی پندرہ دن میں آنا تو ممکن تھا لیکن وہ عارف کی بہت منت سماجت کر کے مہینے، ڈیڑھ مہینے بعد میکے کی شکل دیکھتی تھی۔ ''خوش خبری'' ملنے کے بعد وہ آنا جانا بھی ترک ہوگیا۔

☆☆☆

عارف، رابعہ بیگم کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس سے بڑی دو بہنیں شادی شدہ اور دور دراز کے شہروں میں رہتی تھیں۔ جب فاخرہ کے لیے عارف کا رشتہ آیا تو نگہت بیگم اور حامد صاحب سوچ میں پڑ گئے تھے۔ بظاہر رشتے میں کوئی خامی نہ تھی۔ عارف گریجویٹ تھا۔ اس کی اپنی الیکٹرونکس کی دکان تھی، چلتا ہوا کاروبار تھا۔ شکل و صورت مناسب، چال چلن شریفانہ، مسئلہ صرف ایک تھا کہ وہ بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس رشتے کے حوالے سے نگہت کے ذہن میں بہت سے خدشے کلبلاتے تھے۔

''جس عورت نے بیوگی کا طویل عرصہ بیٹے کے سہارے کاٹا ہو وہ بیٹے کے لیے بہت حساس ہوتی ہے اور اس کی محبت میں شراکت برداشت نہیں کرتی۔ حبیبہ بھابھی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ جب تک زندہ رہیں بہو کو زچ کیے رکھا، نوبت بیٹے کا گھر ٹوٹنے تک آن پہنچی، میں ڈرتی ہوں کہیں یہاں بھی وہ ہی صورت حال درپیش نہ ہو۔''

نگہت اپنے قریبی عزیزوں میں اس سے ملتی جلتی صورت حال دیکھ چکی تھیں، اس لیے یہاں بیٹی کا رشتہ طے کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔

''حبیبہ بھابھی کی مثال ہر بیوہ ماں اور اس کے اکلوتے بیٹے پر تو فٹ نہیں کی جاسکتی نگہت بیگم! بظاہر رشتہ معقول ہے، میں استخارہ کرلیتا ہوں اگر استخارہ

یہ یادیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کبھی اتنی خوب صورت اور شیریں کہ انسان ان میں کھو جاتا ہے۔ بے خود ہو جاتا ہے، کبھی اتنی تلخ کہ ان کا زہر انسان کو لمحہ لمحہ مارتا ہے۔ میرے دل اور ذہن کے ساتھ بھی کچھ تلخ یادیں لپٹی جا رہی ہیں۔ یادوں کا ایک بیکراں سمندر ہے جس میں میں ڈوبتی جا رہی ہوں۔

1980ء کی بات ہے۔ میری شادی اسفند یار سے سولہ سال کی عمر میں ہوئی۔ اس وقت اسفند یار بیس سال کے نوجوان تھے۔ مجھے وہ خوب صورت رات یاد ہے۔ جب میں اسفند یار کے آنگن میں اتری تھی۔ چھم چھم پازیب چھنکی سرخ رنگ یوں بکھر گیا کہ سارا کا سارا ماحول ہی رنگین ہو گیا۔ جیسے بہاروں کا موسم آ گیا ہو۔ میں اسفند یار کو پا کر بے حد مسرور تھی۔ ان خوشیوں کے پیچھے خزاں چھپی بیٹھی ہے مجھے معلوم نہ تھا۔

اسفند یار ان دنوں نئے نئے ریلوے میں بکنگ کلرک بھرتی ہوئے تھے۔ ان کی پوسٹنگ ریلوے اسٹیشن ''چک'' میں ہوئی، ''چک'' ملتان کے قریب ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ اب بھی ہے یا شاید بند کر دیا گیا ہو۔ 1980 چل رہا تھا۔ ریلوے کافی ترقی پر تھا۔ چھوٹے

شمیم رانی

آبلہ پا میں

چھوٹے اسٹیشن بھی خوب پیسہ کما رہے تھے۔ میں اور اسفند یار اوکاڑہ سے ریلوے اسٹیشن ''چک'' آ گئے۔ ''چک'' ایک چھوٹا سا ویران اسٹیشن تھا، شروع کے دنوں میں ریلوے کوارٹر میں میرا دل بہت گھبراتا تھا۔ اسفند یار دفتر چلے جاتے اور میں سارا دن اکیلی پڑی رہتی، گاڑی آتی تو کافی رونق ہو جاتی۔ بہت سے مسافر گاڑی پر سوار ہوتے اور بہت سے گاڑی سے اترتے۔ کچھ دیر کے بعد پھر وہی ویرانی۔

ریلوے کوارٹر کے سامنے فقیروں کی بے شمار جھگیاں تھیں۔ میں ان جھگیوں کو دروازے کے سوراخ سے دیکھتی اور لطف لیتی۔ فقیر عورتیں بھیک مانگنے میرے دروازے پر بھی آنے لگیں۔ اس طرح وہ میرے پاس آنے جانے لگیں۔ ایک بھکارن کا نام مجھے اچھی طرح سے یاد ہے، یاد رہے گا۔ ہمیشہ وہ میرے دل کے اندر زخم بن کر رہتی ہے۔ اس کا نام تھا جنداں مائی۔

ایک دن میں کھانا بنا رہی تھی کہ جنداں مائی

ماہ وش طالب

یہ خوف اک آئینہ ہے

آج صبح سے ہی گھر میں عجیب سا تناؤ تھا حالانکہ اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا، خاموشی سے معمول کے کام کر رہی تھی۔ ناشتہ بنانا، بچوں کو اسکول بھیج کر شجاع کو اٹھانا پھر ان کے دفتر روانہ ہونے تک بکھرا وا سمیٹنا...... وغیرہ وغیرہ۔ خالہ اماں کو بھی حسب معمول اس نے وقت پر ناشتہ اور دوا دے دی تھی۔

مگر یہ جو خاموشی ہے نا یہ بعض اوقات آنکھوں میں چُبھتی ہے اور کبھی کبھی یہ خاموشی دل کو چیر کر رکھ دیتی ہے۔ اب بھی نہ وہ اس سے کچھ کہہ سکتی تھیں اور نہ ہی انہوں نے اس کو کچھ کہنے کے قابل چھوڑا تھا۔

سوایسے میں جلتے دل سے خالہ اماں اس وقت کو کوس کر رہ جاتیں جب اپنے لاڈلے چہیتے اور اکلوتے بیٹے کے لیے اس کی مرضی کی لڑکی لائی تھیں، یعنی فضا، شجاع کی خالہ زاد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی من بھائی بھی تھی۔ نادرہ بیگم کی منشا تو کچھ اور ہی تھی مگر ضدی بیٹے کی خاطر ہاں کرتے ہی بنی۔ دل میں شجاع کی شادی کے پہلے دن سے جو سوسے بس گئے تھے وہ آج بھی موجود تھے۔

''یہ کم بخت آگئی ہے اب دیکھنا کیسے میرا بیٹا مجھ سے چھین لے گی۔ بوسیدہ پھٹی ہوئی چادر کی طرح مجھے ایک کونے میں ڈال دے گی اور اس گھر سمیت میرے بیٹے پر راج کرے گی۔''

حالانکہ فضا نے اپنی خالہ اماں کے پاؤں دھو دھو کر تو نہیں پیے تھے۔ لیکن ان کا پورا خیال رکھا تھا۔ اس نے ان کی راجدھانی ختم کرنے کی کوشش کی تھی نہ تخت کھینچ لینے کے لیے کوئی سازش کی۔ وہ خالہ اور خالو کو ماں باپ سمجھ کر تو نہیں مگر رشتے کا ہی لحاظ کرتے ہوئے پورا احترام، محبت اور توجہ دیا کرتی تھی۔

ایسے میں شجاع اس کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگا اور میاں بیوی کی یہی الفت و یگانگت ان کو کھلتی۔ بیٹے کے کان بھی نہیں بھر سکتی تھیں کہ وہ بہرہ تھا نہ اندھا۔ میاں صاحب بھی بہو سے راضی تھے سو وہ خود ہی کلس کر رہ جاتیں۔

آس پڑوس یا رشتہ داروں کے سامنے بہو کے عیب گنواتیں۔

گھر میں اس سے ٹھیک طرح سے بات نہ کرتیں۔

بیٹے کے ہاں پہلی اولاد ہوئی تو وہ اور زیادہ عدم تحفظ کا شکار ہو گئیں۔

''آئے ہائے! میرے بیٹے کو وارث دے دیا۔ اب تو ضرور ہی یہ کلموہی مجھے چوٹی سے پکڑ کر باہر کروا دے گی.....''

فضا بے چاری ایسی صورتحال پر پریشان ہو جاتی۔

اس نے تنگ آکر ڈرتے ڈرتے ہی سہی مگر معاملہ شوہر کے گوش گزار کیا کہ اگر خدانخواستہ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے تو بات کر کے حل کیا جائے۔

شجاع نے اس کی بات سن کر ایک سرد آہ خارج کی تھی۔ فضا ہمہ تن گوش ہوئی۔ ساری بات جو —— سُنی تو اس کی آنکھیں پہلے حیرت سے کھلتی گئیں اور پھر افسوس سے اس نے اپنے لب سی لیے۔ معاملہ جیسے اس کی سمجھ میں آرہا تھا۔ ساس کے اکھڑے، چڑچڑے مزاج کا سبب وہ اس دن جان پائی تھی کہ بلاوجہ کی تنک مزاجی ان کا اپنا خوف تھا اور درحقیقت انسان کی اپنی کی گئی غلطیاں ہی اس کا سب سے بڑا خوف ہوتی ہیں۔

☆☆☆

پھر شادی کے تین سال بعد شجاع کے والد دارِعدم روانہ ہوئے۔ آخری سانسیں لیتے وقت وہ کسی کو پکار رہے تھے۔ بیٹے کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ نادرہ بیگم تو پریشانی میں شاید کچھ سمجھ نہ سکیں مگر شجاع نے سمجھ کر بھی نظریں چرالیں۔ باپ کی فریاد بڑھی تو اس نے —— ان کو گاڑی میں بٹھایا اور فضا کو گھر میں بچوں کے ساتھ رکنے کا کہہ کراچی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ موڑ کاٹتے شجاع کو راستہ بدلنا پڑا اور باپ کی کراہتی آوازوں نے اسے اسپتال کے آئی سی یو کے سامنے کھڑا کر کے اذیت ناک انتظار کرنے پر مجبور کر دیا۔

''ہم مریض کو نہیں بچا سکے۔''

آدھے گھنٹے بعد کہے جانے والے ڈاکٹر کے ان الفاظ نے جہاں نادرہ بیگم کو ہوش و خرد سے بیگانہ کیا تھا وہیں شجاع بھی لڑکھڑا کر رہ گیا۔

وقت گزرتا رہا، نادرہ بیگم نرم مزاجی میں ڈھلنے کے بجائے اور زیادہ اکھڑ مزاج ہوتی گئیں۔ شاید اپنے تئیں وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھیں۔ فضا نے حتی المقدور ان کی دل جوئی کی تھی مگر خالہ اماں کو یہ سب

نعیمہ ناز

سحر تمنا

عالیہ بیگم اپنی بیٹی حمنہ کے رشتے کے لیے خاندانی لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ جب کہ ان کی ساس کا کہنا تھا کہ رشتہ کے لیے دین داری اور شرافت کو ترجیح دینی چاہیے۔

عائشہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔ رشتوں کے نام پر اس کی ایک خالہ تھیں جن کے دو بچے فہد اور علیزے تھے۔ فہد اپنے باپ کے پاس امریکہ میں پڑھنے گیا تھا۔ اس کی والدہ سلائی کر کے اپنے بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ عائشہ کی سہیلیاں اس کی بے پناہ خوب صورتی کو سراہتی تھیں۔

سید صاحب کو مسجد کمیٹی کا صدر منتخب کیا جا رہا تھا۔ ان کی بیٹی نائلہ ایک خود سر لڑکی تھی، اس کی اپنے شوہر سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ وہ آئے دن اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر باپ کے گھر آ بیٹھتی۔ اس میں ماں کے مزاج کی جھلک تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی پر بہت ناز تھا۔ سید صاحب اس کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ نائلہ کے شوہر سرمد کا دوست جمال اس پر مرمٹا۔

چنبلی کا تعلق بازار حسن سے ہے طلال شیخ ایک نامور سیاست دان اور جاگیر دار کا بیٹا ہے جو چنبیلی کے حسن پر مرمٹا ہے۔

شاہ میر رسول بخش کا سب سے چہیتا شاگرد تھا، جو ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھا۔

احمد فجر کے بعد جلدی جلدی گھر سے نکلا۔ آج ڈبل سواری پر پابندی کی وجہ سے پڑوس کے کامران انکل اسے اپنی موٹر سائیکل پر لفٹ نہیں دے سکے۔ اسے کافی انتظار کے بعد بس کی کھچا کھچ بھری چھت پر جگہ ملی۔ انتہائی تیز رفتاری سے موڑ کاٹتے ہوئے کچھ مسافر نیچے جا گرے جن میں احمد بھی شامل تھا۔

سرمد سو رہا ہوتا ہے تو جمال کا فون آتا ہے۔ اپنی بدقسمتی پر کڑھتی نائلہ کو جمال کی کال ایک نعمت لگتی ہے۔ جمال اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اسے پھر سبز باغ دکھاتا ہے۔ اچانک نائلہ کی نظر اٹھتی ہے تو سامنے کھڑا سرمد اسے عجیب نظروں سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

طلال چنبیلی کے شادی پر اصرار کرنے پر ہامی بھر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جلد مہک جان سے بات کرے گا۔ مہک جان سے بات کر کے وہ اس کی شرائط مان کر چنبیلی سے نکاح کر کے لے جاتا ہے۔

احمد کے انتقال کے بعد عائشہ اور اس کی امی بہت سارے مسائل کا شکار ہوتی ہیں لیکن اپنی غیور طبیعت کی وجہ سے کسی سے قرض ادھار نہیں لیتیں۔

ایک سلائی کے سوٹ کے لیے لیس اور دھاگہ خریدنے کے لیے عائشہ کو بازار جانا پڑتا ہے۔ شام زیادہ ہو جاتی ہے، وہ بس کے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے مانی بصد اصرار اسے لفٹ دیتا ہے۔ مانی کی امی اور بہن ماریہ گاڑی میں مانی کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھتی ہیں لیکن پہچان نہیں پاتیں۔ مانی پوچھ گچھ پر ماریہ کے سامنے عائشہ کا نام لے دیتا ہے۔

جمال دوپہر میں فون کر کے نائلہ کو ہوٹل لے جانے کی بات کرتا ہے۔ دروازہ بجنے پر وہ باپ کو دیکھ کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ سید صاحب اس کا فون اٹھاتے ہیں۔ سید صاحب کے جانے کے بعد نائلہ جمال سے ملنے چلی جاتی ہے جہاں وہ ایک دوسرے سے التفات کا اظہار کرت ہیں۔ جمال اسے اپنے نوتعمیر شدہ بنگلے میں لے جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ تمہارا گھر ہے۔

چنبیلی طلال کے ساتھ شادی ہو جانے پر بہت خوش ہے۔ طلال اسے بتاتا ہے کہ ہر چیز جو اسے پسند آ جائے وہ قید کر لیتا ہے اور اس قید سے رہائی اس کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔

سید صاحب اپنے بیٹے فرحان سے اس کی شادی کی بات کرت ہیں تو وہ پھر ٹال دیتا ہے حمنہ کے نکاح والے دن مانی' عائشہ کا انتظار کرتا ہے۔ ماریہ جو اس کی ہے اس سے پوچھتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔

عائشہ کی خالہ کا فون آتا ہے وہ عائشہ کی امی سے کہتی ہے کہ جوان بچی کے ساتھ اکیلی کیسے رہو گی میرے پاس آ جاؤ، عائشہ کی امی انکار کر دیتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ کب تک بہن کو انکار کروں گی اگر مجھے کچھ ہو گیا تو عائشہ کا کیا ہو گا۔ وہ عائشہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں۔

جھمکا جان بڑی بی کو ڈانٹتی ہے کہ تم اس انتظار میں رو رو کے کیوں مر رہی ہو، وہ نہیں آئے گا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہے یا مر مرا گیا۔ تارا جھمکا جان کو کبیر صاحب کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔

نائلہ جمال کے گھر سے آنے کے بعد بھی اسی تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ سرمد آتا ہے تو اسے بخار ہوتا ہے۔ وہ نائلہ سے چائے بنانے کا کہتا ہے نائلہ منع کر دیتی ہے اور گلی کے نکڑ سے اسے چائے لانے کا کہتی ہے۔ واپس آ کر سرمد، نائلہ سے پوچھتا ہی ہے کہ وہ آج دن میں کہاں گئی تھی۔

چنبیلی طلال کو ماں بننے کے متعلق بتاتی ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے یہاں خاندانی بیوی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ کہتا ہے کہ ہم چھ بھائی ہیں اور چھٹا بھائی لاڈلا چہیتا یہ شادی کے چھٹے مہینے پیدا ہوا تھا۔

ماریہ، عائشہ کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے رشتے کے لیے شام میں کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ مانی اتفاقاً وہاں سے گزرتے ہوئے سن لیتا ہے۔

ظفر صاحب کی بیٹی کو فائرنگ کے ذریعے ڈرا کر ان کو عملی دھمکی دی جاتی ہے۔

چنبیلی بیٹے کی پیدائش پر طلال کی توجہ پا کر پھر اپنا خیال رکھتی ہے لیکن طلال نشے میں چور گھر آ کر اس سے کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس سے آ رہا ہے۔ چنبیلی کے سوال پر کہتا ہے کہ تو تو بیوی ہے محبوبہ تو وہ ہے جو فلیٹ میں رہتی ہے۔

جان محمد کی بیٹی کو ایکسیڈنٹ کے ذریعے مروا دیا جاتا ہے۔ اس کی بیوی بین کرتی ہے اور چلا چلا کے قاتلوں کے نام

شازیہ الطاف ہاشمی

ڈور

"بڑا ہی تلخ تجربہ تھا سسرال میں صفیہ کا۔ایسی لعنت ملامت پھٹکار کہ اسے لگا کہ سارے جہان کی برائیاں اسی مٰیں ہیں۔دنیا کی سب سے گھٹیا لڑکی وہی تو تھی۔جوان معصوموں کے حصے میں آگئی۔نندیں زویا اور نادیہ تقریباً اس کی ہم عمر تھیں جو قدم قدم پر اسے لتاڑنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ اس کے بنے کھانے ، دھوئے کپڑوں میں کیڑے تلاشنا۔بس یہی کام تھا ان کا۔"

"دیکھیں موراش بھائی! بوٹی کچی رہ گئی۔ میں

Monthly Shuaa December 2019

فرح بخاری

وہ نازنین

عبدالواسع کوئٹہ میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس کا سارا خاندان مسلم باغ میں مقیم ہے۔ اس کے تقریباً پورے خاندان کی کمائی کا ذریعہ پھلوں کے باغات ہیں لیکن واسع کا اپنا باغ کسی وجہ سے برسوں ہوئے اس سے چھن چکا ہے اور جس کے حصول نے واسع کو وکالت کی طرف مائل کیا ہے۔ واسع کی بہن رباب پھوپھی زاد نصیر سے محبت کرتی ہے، رباب بھی نصیر کی بچپن کی محبت ہے لیکن گلشن پھپھو دونوں کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے ہاں ونا وٹے سٹے کے شادیاں نہیں کی جاتیں۔

سیف اور نغمہ کی شادی کو چھ برس بیت چکے ہیں لیکن ان کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنی۔ پشمینہ سیف کی بہن ہے وہ رئیس کی بچپن کی منگ تھی لیکن چھ برس پہلے ایک واقعے نے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیے تھے۔

نازنین کوئٹہ شہر میں اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے بابا کسی بیوہ عورت سے چوری چھپے شادی کر چکے ہیں اور اس دولت مند بیوہ کے گھر شفٹ ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے وہ اس کا رشتہ اپنے ایک رنڈوے دوست کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔

نازنین عین نکاح کے وقت شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ گھر میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے، دولہا والے دلہن کو زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں۔ ادھر واسع کوئٹہ سے گھر واپس جا رہا ہے۔ بس میں ایک مسافر لڑکی تمام راستہ روتی ہوئی ملی، واسع کو شبہ گزرا کہ اس کی ساتھی عورت اسے اغوا کر کے لے جا رہی ہے لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔ اب آگے پڑھیے۔

تیسری قسط

بیٹی کے فرض کو ذمہ داری کے بجائے بوجھ سمجھ کر سر سے اتارنے کی کوشش کی تھی شاید اس لیے اللہ تعالیٰ نے کریم اللہ کو دوہرے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر تھکا ہارا وہ دونوں ہاتھ سر پہ گرائے نیم جان سا سوچوں میں غرق بیٹھا تھا۔ سامنے صحن میں اوندھی سیدھی کرسیاں، بجھی لائٹیں اور سامان بکھرا پڑا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو کچھ ہوا اول تو اس نے ہی کریم اللہ کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ نازنین کا نکاح سے انکار، پھر چار مردوں کا آنا فاناً اسے جھپٹ کر اٹھا لے جانا۔

وہ تو الفت اور اسکے ساتھیوں کو گالیاں دے رہا تھا، پر ان کو بھی دیر تک برا بھلا کہہ لینے کے بعد یہ سوچ کر خود کو تسلی دی تھی کہ بھلے زبردستی سہی لیکن نکاح وہ بہرحال پڑھوا لیں گے، بلکہ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی ان کے پیچھے جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔

الفت اور ساتھیوں کو یہ سمجھانے کہ کام اگر دھونس اور جبر کے بجائے سکون اور نرمی سے نکلوا لیا جائے تو کیا برا ہے، بلاوجہ ہی وہ لوگ اس قدر اشتعال میں آگئے، اس پر عجلت اتنی کہ سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا اور دلہن کو اٹھا لے گئے۔

وہ اب ایک فیصلے پر پہنچ کر گھر کے تالے چابیاں برابر کر رہا تھا تاکہ وہاں جا کر نہ صرف معاملے کو ٹھنڈا کرے بلکہ اپنی آنکھوں کے سامنے نکاح کی رسم بھی پوری ہوتے دیکھ آئے کہ ایک اور افتاد اس پر آن پڑی۔

اس وقت عین جبکہ وہ گھر سے نکلنے والا تھا۔ الفت احمد اور اس کے تین دوست گھر میں داخل ہوئے، کریم اللہ نے دل میں شکر ادا کیا کہ جو بات وہ الفت کو سمجھانے جا رہا تھا۔ وہ خود ہی اس کی عقل میں آ گئی تھی، چہرے پر نرم سا تاثر لیے وہ آگے بڑھا لیکن الفت کے چہرے کے تاثرات۔۔۔۔ وہ ٹھٹھک کر وہیں رُکا، ان سب کے سرخ غضب ناک چہرے پل پل مزید متغیر ہوتے جا رہے تھے۔

"سب خیریت ہے؟ میں تو تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔"

"نازنین کہاں ہے؟" وہ مٹھیاں بھینچے بمشکل، خود پر ضبط کیے کھڑا تھا

"کیا مطلب کہاں ہے؟" کریم اللہ کے دل نے نیچے کہیں غوطہ کھایا "کیا کہہ رہے ہو، اس کو تو تم لیے گئے تھے۔"

"وہ ہمارے آدمی نہیں تھے کریم اللہ۔" الفت نے ایک ہی جھٹکے میں تمام کنفیوژن سمیٹ کر ایک نئی الجھی گرہ فی الفور سامنے کی۔ کریم اللہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا

"کیا کہہ رہے ہو، تم نے باہر سے بندے بلوائے، کلاشنکوفوں کے ساتھ، اور وہ آتے ساتھ ہی نازی کو۔"

"نہیں۔" الفت چلایا۔ "پہلے ہم بھی یہی سمجھے کہ ہمارے کہنے پر ہمارے ہی آدمی اندر آئے، لیکن وہ چار آدمی جیپ پر کہیں اور سے آئے تھے، ہم لوگ پھر بھی سمجھ نہیں پائے اور اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو کر ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ میں سمجھا ان میں سے ایک اپنا جاوید ہے لیکن کچھ دیر بعد جب وہ جیپ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے جاوید کو کال ملائی اور تب مجھے پتا چلا کہ جاوید تو مجھ سے بھی پچھلی کار میں بیٹھا میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ ہم نے گاڑیاں روک کر بندے برابر کیے، معاملہ صاف ہو گیا۔ وہ جیپ کہیں اور سے آئی تھی اور اب تم ہمیں بتاؤ گے کریم اللہ کہ وہ لوگ کون تھے اور دلہن کہاں ہے۔"

"دیکھو مجھے بالکل نہیں پتا کہ یہ سب کیا چکر ہے۔ خدارا کچھ دیر سوچنے دو۔" کریم اللہ کا اپنا دماغ آندھیوں کی زد میں آ چکا تھا۔

بدقت حواس یکجا کر کے سوچنا شروع کیا۔ پہلا خیال ارشادے بی بی کا آیا، وہی اس روز بہت

عینا قاسم

ماہی آب

وہ سلام کرتی ہوئی اس چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے کچن میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں اس کی ماں برتن سمیٹنے میں مصروف تھیں۔

''اماں! کھانے میں کیا بنایا ہے؟''

سوال پوچھتے ہوئے اس نے خود ہی شیلف پر پڑی دیگچی کا ڈھکن ہٹایا۔ قورمے کی اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی بھوک بڑھانے کے بجائے مٹا دی تھی۔

''اماں! بازان آیا تھا کیا؟'' وہ جانتی تھی کہ اس کے گھر میں صرف بازان کے آنے پر ہی اس قسم کے کھانے پکائے جاتے تھے۔ ورنہ اماں کو کہاں عادت تھی ان شاہ خرچیوں کی۔ انہیں تو دال سبزی پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔

''تمہیں پوچھ رہا تھا۔'' اس کی ماں کے چہرے پر خوشی کا عنصر واضح تھا۔

''اماں! اگر وہ دوبارہ آئے تو یہ فضول خرچی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے دیگچی کا ڈھکن پٹخا تھا۔

''کیوں نہ کروں...... وہ میرا بیٹا ہے۔'' وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ خشک کرتیں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''اماں! اس نے بیٹا ہونے کا کون سا حق ادا کیا ہے؟'' اس کی آواز قدرے اونچی ہو گئی تھی۔

''ماہی! کھانا کھانا ہے تو بتاؤ، میں بازان کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گی۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

وہ بے دلی سے کہتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''کیا زندگی ہے۔ یونیورسٹی سے پڑھ کر ٹیوشن پڑھانے چلے جاؤ، پھر جب گھر آؤ تو بھی سکون نصیب نہ ہو۔''

ماہی نے اپنا دوپٹا اور بیگ سنگل بیڈ پر پٹخا۔ کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا جو شام کے چھ بجا رہی تھی۔ وہ بیڈ پر منہ بنائے بیٹھی تھی۔ جب فوزیہ اس کے لیے ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''ماہی! کھانا کھالو۔ وہ تمہارا بھائی ہے اور دیکھو، وہ تمہارے لیے کپڑے بھی لے کر آیا ہے اور تو اور اس نے پورے بیس ہزار روپے بھی دیے ہیں۔''
وہ اب اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''اماں! آپ کیوں نہیں سمجھتیں، اگر اس کے دل میں ذرا بھی اپنے رشتوں کا احساس ہوتا تو وہ اپنے بوڑھے ماں باپ اور جوان بہن کو اس طرح اکیلا نہ چھوڑتا اور جن بیس ہزار کی آپ بات کر رہی ہیں نا...... وہ جو دو تین ماہ بعد اپنی شکل آ کر دکھا جاتا ہے، صرف اس لیے کہ وہ بتا سکے کہ وہ زندہ ہے۔ یا پھر یہ جاننے کے لیے ہم کس حال میں جی رہے ہیں۔''
''ماہی! اس نے بتایا تھا کہ وہ بہت مصروف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں آ سکتا۔''
وہ بے بسی سے اپنی ماں کو دیکھتی رہی۔ وہ کس طرح سے بازان کی باتوں میں آ گئی تھیں۔ کیا ماں باپ کی یہی حیثیت ہوتی ہے کہ جب اولاد پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے تو وہ ان کا سہارا بننے کے بجائے انہیں چھوڑ کر چلی جائے۔ یہ ماں باپ کی کتنی بڑی بدقسمتی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں اس طرح سے ذلیل ہوتے ہیں۔ کاش کہ وہ سمجھ سکیں۔ وہ جو ایک ہی شہر میں ہونے کے باوجود ان سے ملنے نہیں آ سکتا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کا چھوٹا سا گھر اس کے شایان شان نہ تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کے اس چھوٹے محلے میں اس کی گاڑی کی توہین ہوتی تھی۔ بازان وہ دن کیسے بھول گیا جب اس کے باپ نے محنت کر کے انجینئر بنایا تھا۔ اسے کیا صرف اس دن کے لیے اتنا بڑا کیا تھا؟

☆☆☆

صبح سویرے ہی فیصل آباد کی سڑکوں پر رش بڑھ گیا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو ابھی تک بستر سنبھالے ہوئے تھے جبکہ کچھ لوگ ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔
وہ چاروں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔
''معارج...... آج تمہارے سکستھ سمسٹر کا رزلٹ ہے نا؟''
آئمہ نے سامنے بیٹھے اپنے ہینڈسم بیٹے سے پوچھا تھا جس پر اس نے جوس کا گھونٹ لیتے ہوئے بس اثبات میں گردن ہلانا ہی مناسب سمجھا تھا۔
''تو پھر اس مرتبہ کیا ایکسپیکٹ کر رہے ہو؟''
سربراہی کرسی پر براجمان اسفندیار کے اس سوال پر معارج گلاس میز پر رکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
''بڑے ابو! (اسفندیار اس کے تایا تھے لیکن وہ خود کو بڑے ابو کہلوانا پسند کرتے تھے) معارج ہمیشہ سے ہی سب سے بلند رہا ہے۔ بالکل اپنے نام کی طرح۔ یونیورسٹی کا سب سے ذہین ترین اسٹوڈنٹ ہوں میں۔ اسٹوڈنٹ کی لسٹ میں سب سے اوپر میرا نام ہوتا ہے اور یقیناً اس دفعہ بھی ہمیشہ کی طرح ''معارج بیگ'' کا نام ٹاپ پر ہوگا۔''
''بیسٹ آف لک۔''
ساتھ ہی براجمان رمیزہ نے اپنے بھائی سے کہا۔
''بڑے ابو! اس دفعہ مجھے اسپورٹس کار چاہیے۔''
''لیکن ابھی تو پچھلے ماہ تم نے نئی گاڑی لی تھی معارج! اتنی جلدی......''
اسفندیار نے آئمہ کی بات کاٹ دی۔ ''اگر معارج کو نئی گاڑی چاہیے تو اسے ضرور ملے گی۔'' وہ رمیزہ اور معارج سے بہت محبت کرتے تھے۔ چھوٹے بھائی کی وفات کے بعد انہوں نے ان کی پرورش اولاد کی طرح کی تھی۔
''تھینکس۔'' وہ میز سے چابیاں، گاگلز اٹھاتا کرسی دھکیلتا کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم امی!''
ماہی وہیل چیئر پر بیٹھے اس کمزور وجود کے

عنین اعجاز

رابطے ایسے بھی

''ٹیکنالوجی سے آپ بچ نہیں سکتیں، میری پیاری نانو جان!''

زارا نے بڑے دلار سے مدیحہ بیگم کی گردن کے گرد باز و حائل کرتے ہوئے رائے دی۔ مدیحہ بیگم جو پہلے ہی خاصی جھنجلائی ہوئی بیٹھی تھیں، یہ سنتے ہی ان کی پیشانی پہ ایک گہری عصیلی شکن نمودار ہوگئی۔

''جی ہاں نانو!'' ٹچ اسکرین موبائل فون تو آپ کو بہرحال لینا ہی پڑے گا۔'' عفان نے اپنا اسمارٹ فون مدیحہ بیگم کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

مدیحہ بیگم نے رخ پھیر لیا۔

''کوئی زبردستی ہے کیا؟ میرا گزارا ہو جاتا ہے اسی پرانے ''بٹن والے'' موبائل فون سے۔'' مدیحہ بیگم نے دوٹوک جواب دیا۔

''بات گزارا کرنے یا ضرورت کی نہیں، بات مجبوری کی ہے نانو! اب آپ کی ساری فرینڈز، کزنز، سہیلیاں، فیس بک اور واٹس ایپ پہ چلی گئی ہیں اور آپ ابھی تک اس ''بٹن والے'' موبائل فون کے پلیٹ فارم پہ تنہا اداس کھڑی رہ گئی ہیں۔ اس طرح کیسے گزارا ہوگا آپ کا؟''

نرمین نے اپنی نانو کے قریب فلور کشن پہ دھم سے گرتے ہوئے کہا اور ان کے گھٹنے پہ لاڈ سے سر رکھ دیا۔

''سچ تو یہ ہے نانو! کہ آج کل اگر بندہ سوشل میڈیا پہ باقاعدہ سے حاضری دے رہا ہے تو سمجھیں کہ سب خیریت ہے اور اگر چند روز — غائب ہے تو پھر تشویش کی بات ہے۔ ویسے بھی کہتے ہیں کہ ناں کہ

''مین از اے سوشل اینیمل۔'' عفان نے ایک حقیقت سے گویا پردہ اٹھاتے ہوئے بتایا۔

''پیاری نانو! جو لوگ کہتے ہیں کہ وقت نہیں کٹتا، جب وہ سوشل میڈیا پہ آجاتے ہیں تو پھر کہتے ہیں وقت نہیں ملتا۔ ہر وقت نوٹیفکیشن کی ''ٹیں ٹیں'' اور کمنٹس، ریپلائی، لائکس کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ آپ کو چاق و چوبند رکھتا ہے۔''

زارا نے مزید تفصیلات سے آگاہ کیا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ مدیحہ بیگم کے دل سے ٹچ اسکرین موبائل فون کے خلاف کینہ کم نہ ہوا۔ یہ جدید دور کی ایک ایسی سہولت تھی جو ان پر جبراً مسلط کی جارہی تھی۔

مدیحہ بیگم نے گرد و پیش کے ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ نرمین ان کے قدموں میں بیٹھی اپنے موبائل فون کی اسکرین پہ نازک مخروطی انگلیوں کو یوں حرکت دے رہی تھی گویا کسی ماہر موسیقار کی طرح پھرتی سے پیانو بجا رہی ہو۔ ٹی وی لاؤنج کے ایک کونے میں زارا منی پلانٹ کی جھولتی بیل کے سرہانے کھڑی بڑے اسٹائل سے اپنے ہاتھ میں موبائل تھامے یوں مسکرا رہی تھی گویا آئینہ دیکھ رہی ہو، وہ دراصل اپنی سیلفی لے رہی تھی۔

عفان صوفہ کم بیڈ پہ آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا اور دونوں ہاتھوں میں موبائل تھامے، بازو فضا میں یوں بلند کر رکھے تھے گویا کسی ننھے منے شیر خوار کو ہوا میں اچھال کر اس کی قلقاریوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ چھوٹے نواسے ریان کا انداز تو سب سے نرالا تھا۔ ایک ہاتھ میں موبائل تھامے، پلک جھپکائے بغیر

اِسے ماہ کی بہترین مسکراہٹیں

اداکاری

مغالطہ

ایک ڈاکٹر نے نوجوان بیٹی سے کہا۔ ''جلدی کرو، میرا اسٹیتھسکوپ اور دواؤں کا بکس گاڑی میں رکھ دو۔ مجھے ایک ایمرجنسی کال آئی ہے اگر میں فوراً نہ پہنچا تو وہ مر جائے گا۔''

''پاپا! وہ کال آپ کے لیے نہیں، میرے لیے آئی تھی۔'' بیٹی نے شوخی سے کہا۔

غلطی

آمنے سامنے سے آتی ہوئی ایک خاتون اور ایک صاحب کی گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ خاتون گاڑی سے اتر کر معذرت بھرے لہجے میں بولیں۔

''معاف کیجیے گا، غلطی میری ہے۔''

''نہیں خاتون! غلطی میری ہے۔'' وہ صاحب ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

''میں نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ سامنے سے آنے والی کار کوئی خاتون چلا رہی ہیں۔ میں چاہتا تو اپنی گاڑی کچے میں اتار کر جلدی سے کسی درخت کی آڑ لے سکتا تھا لیکن میں نے گاڑی کو سیدھا چلنے دیا۔''

مشورہ

ایک خاتون انتہائی دکھی لہجے میں اپنی دوست کو بتا رہی تھیں کہ ''میرا شوہر مجھ سے زیادہ اپنی ماں کو چاہتا ہے۔''

دوست نے پوچھا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

کہنے لگی۔ ''ایک دن میں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ میں اور تمہاری ماں ڈوب رہے ہوں تو تم پہلے کس کو بچاؤ گے؟''

''پھر اس نے کیا کہا؟'' دوست نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ کہنے لگا، اپنی ماں کو۔ کیوں کہ ان کا حق زیادہ بنتا ہے۔ اب تم مجھے بتاؤ میں ان حالات میں کیا کروں؟'' خاتون نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

دوست سنجیدگی سے بولی۔ ''تم تیراکی سیکھنا شروع کر دو۔''

ایک صاحب نے اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے ایک راہ چلتی خاتون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر فوراً ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور جلدی سے خاتون کا ہاتھ چھوڑ کر بولے۔

''معاف کیجیے گا محترمہ! محض غلط فہمی کی بنا پر میں آپ کو اپنی بیوی سمجھ بیٹھا تھا۔''

''قسمت پھوٹ گئی ہو گی اس عورت کی، جسے تم جیسا بے وقوف اور بدصورت شوہر نصیب ہوا...... کبھی آئینہ میں اپنی شکل دیکھی ہے۔ کالا منہ، فضول قسم کے کپڑے اور آنکھیں تو ایسی سرخ ہیں جیسے نشہ کیا ہو۔''

''خدا کی قسم محترمہ! آپ کی صورت ہی نہیں بلکہ گفتگو بھی میری بیوی جیسی ہے۔'' صاحب نے انتہائی حیرت سے جواب دیا۔

وجہ

رپورٹر: ''آپ کے شوہر کی موت کیسے ہوئی؟''

بیوی: ''زہر کھانے سے......''

رپورٹر: ''لیکن جسم پر یہ نشان کیسے ہیں؟''

بیوی: کھا نہیں رہا تھا...... تو......''

☆☆

ایک پاکستانی نے اپنے چائنیز انجینئر کو کھانے کے بعد جلیبی پیش کی تو وہ رونے لگا۔ پاکستانی پریشان ہو گیا اور اس نے پوچھا۔

''کیا ہوا؟ روتے کیوں ہو؟''

آپ سے جانیں

واصفہ سہیل

کوشش

فن کی دنیا میں کامیابی کے بعد اب مہوش حیات فلاحی وسماجی کاموں میں بھی مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ایک بین الاقوامی فلاحی تنظیم کے ساتھ مل کر تعلیم کے حوالے سے کام کررہی ہیں (تعلیم کے حوالے سے کام کی سخت ضرورت بھی ہے) سندھ کے شہر سکھر میں تقریباً ہزار یا نو سو لڑکیوں کے لیے پانچ اسکول بنارہی ہیں (کاش کہ بن بھی جائیں) جن میں پانچ سے سولہ برس کی عمر کے طلبا و طالبات تعلیم حاصل کرسکیں گے۔

ساتھ

شوبز انڈسٹری میں فنکار جوڑیوں کی شادی کرنے کی خبریں اکثر سننے میں آتی ہیں۔ آج کل سجل علی اور احد رضا میر اس کی زد میں ہیں۔ دونوں کی منگنی

ہوچکی ہے۔ (لیکن جلد شادی کی افواہیں پھر بھی ہیں)۔ دونوں فنکار ''یقین کا سفر'' اور ''آنگن'' میں ایک ساتھ کام کرچکے ہیں اور آج کل بھی ایک نجی چینل کے ڈرامے میں ایک ساتھ نظر آرہے ہیں۔ ان کی جوڑی اسکرین پر بہت پسند کی جاتی ہے، دونوں نے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا تو فیصلہ کرہی لیا ہے لیکن سجل اور احد ایک ویب سیریز میں بھی کام کررہے ہیں جس کی کہانی خواتین ڈائجسٹ کی رائٹر عمیرہ احمد نے لکھی ہے جو پاکستان اور بھارت کی مشترکہ پیشکش ہے۔ اس کی ہدایت حسیب حسن دے رہے ہیں۔

خوش گمانی

فنون لطیفہ حکومتی سرپرستی کے بغیر عروج حاصل نہیں کرسکتا۔ شوبز انڈسٹری میں معیاری کام کرنے والوں کو کچھ حکومتی سپورٹ حاصل ہو تو ہماری شوبز انڈسٹری سب سے آگے ہو۔ ان خیالات کا اظہار پاکستان کی معروف ماڈل و اداکارہ اور ٹی وی میزبان ماہ نور نے کیا۔

انہوں نے کہا کہ جو ٹیلنٹ پاکستان میں ہے وہ کسی اور ملک میں نہیں (اچھا جی!) ہمارے فنکاروں کی صلاحیتوں کو پوری دنیا میں مانا جاتا ہے (اور ہم......؟) ماضی کی طرح ایک بار پھر موجودہ دور کی فلموں اور ٹی وی ڈراموں کا معیار اے ون ہوچکا ہے (پرکھوں؟) وہ دن دور نہیں جب ایک بار پھر ہماری فلموں اور ڈراموں کا طوطی پوری دنیا میں بولنے لگے گا (بھائی! اب بس بھی کرو، ہم تھک گئے ایک ہی موضوع کو الٹ پھیر کر دیکھتے دیکھتے)۔

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

ابوالبشر کو زمین پر اتارا گیا 41,160 قبل مسیح

تخلیق آدم کے حوالے سے اسلامی و دیگر مذہبی تواریخ، حکایتوں، روایتوں اور مغربی و مشرقی محققین، مغربین، مورخین اور مفکرین کے بیانات میں واضح تضاد نظر آتا ہے جبکہ ان سب سے ہٹ کر جدید سائنسی تحقیقات اور علوم آثار قدیمہ مکمل طور پر ان کی نفی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

بیشتر مورخین و محققین تخلیق آدم اور زمین پر آدم کے اترنے کو ایک ہی واقعہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ دونوں واقعات ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ ان میں کتنے سالوں کا فرق موجود ہے۔ تاریخ ال مسعودی کے مطابق تخلیق آدم سے وفات آدم تک کی مدت چالیس ہزار سال بنتی ہے۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو جنت میں آدم کے قیام کا زمانہ 40یا39 سال بنتا ہے کیونکہ وہ زمین پر اتارے جانے کے بعد 960 برس زندہ رہے اور ان کی طبعی عمر وہی عرصہ ہے جو انہوں نے زمین پر گزارا۔ مغربی محققین کہتے ہیں کہ دستیاب شواہد کی بنیاد پر جنت میں آدم وحوا کا قیام کچھ زیادہ طویل نہیں تھا۔ شاید یہ عرصہ چند ماہ یا چند سالوں پر محیط ہو۔ بعض ماہرین جنت میں آدم وحوا کے قیام کی مدت لامحدود قرار دیتے ہیں اور کچھ تین آسمانی ساعت (ایک آسمانی ساعت زمین کے 150 برس کے برابر ہوتی ہے) بتاتے ہیں لیکن کچھ ایک سو سال کہتے ہیں۔ ان کے اس جواز کی بنیاد یہ ہے کہ آدم وحوا کی پہلی اولاد 100 برس کی عمر میں پیدا ہوئی۔ حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ زمین پر اتارے جانے کے بعد دو سو سال تک دونوں ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے لہٰذا محض پہلی اولاد کے غلط اندازے کو بنیاد بنا کر جنت میں آدم وحوا کے قیام کے عرصہ کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ انسانی تحقیق، آخری بلندیوں تک بھی پہنچ جائے تو آدم کو زمین پر اتارے جانے کے صحیح سال کی نشاندہی نہیں کرسکتی کیونکہ یہ حرف آخر ہے کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ تخلیق کے بعد آدم وحوا نے کتنا عرصہ جنت میں گزارا اور کب انہیں زمین پر اتارا گیا۔ لہٰذا یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ آدم وحوا کی تخلیق، انہیں زمین پر اتارے جانے کے سنین، جدید ترین سائنسی تحقیق کے باوجود محض اندازوں اور قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں جنہیں ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ٹھوس شواہد موجود نہیں۔

تاریخ وہب ابن منبہ کے مصنف زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے اتارے جانے کو ہی تخلیق آدم قرار دیتے ہیں۔ ان کے بقول یہ واقعہ 8,284 قبل مسیح میں پیش آیا۔ کمپینین بائبل کے مطابق یہ سال 4,004 قبل مسیح ہے۔ بعض عیسائی محققین کے اترنے آدم کا سال 3,961 قبل مسیح 4,313 قبل مسیح، 5,000 قبل مسیح، 5,500 قبل مسیح، 5,529 قبل مسیح 5,537 قبل مسیح اور 5,793 قبل مسیح قرار دیتے ہیں جبکہ عربوں کے ہاں یہ 6,174 قبل مسیح کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل کی بعض تحقیقات اور انکشافات کی روشنی میں مندرجہ بالا تمام سنین باطل قرار پاتے ہیں۔ سائنس کرہ ارض پر انسان کی عمر 20 سے 30 لاکھ سال بیان کرتی ہے۔ جبکہ اسلامی، یہودی اور عیسائی مذہبی روایات حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالبشر اور دنیا کا پہلا انسان تسلیم کرنے کے باوجود ان کی اس قدر قدامت سے منکر ہیں۔ یہ ایسا تضاد ہے جسے شاید ہی کبھی دور کیا جاسکے۔ تاہم ایک محتاط ترین اندازے کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو 41,160 قبل مسیح میں زمین پر اتارا گیا تھا لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ کوئی حتمی تاریخ نہیں۔ انسان اپنی عقل کے مطابق

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

کریمی مٹر سوپ

اشیاء:۔

مٹر	آدھا پاؤ
یخنی	تین کپ
نمک	حسب ذائقہ
پسی سفید مرچ	حسب ذائقہ
پیاز	ایک عدد
لہسن کا جوا	ایک عدد
مکھن	دو چائے کے چمچے
کارن فلور	تین کھانے کے چمچے
کریم	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

مٹر کو ابال لیں اور چھان کر اس میں نمک، سفید مرچ اور یخنی ملا کر ہموار مکسچر تیار ہونے تک گرائنڈ کر لیں۔ ساس پین میں مکھن گرم کریں۔ اس میں پیاز اور لہسن ڈال کر ساتے فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں گرائنڈ کیا ہوا مٹر اور یخنی کا مکسچر ڈال کر ابال آنے تک پکائیں۔

کارن فلور کو تھوڑے ٹھنڈے پانی میں حل کر کے اس میں شامل کریں اور سوپ کے گاڑھا ہونے تک درمیانی آنچ پر پکائیں۔ اس کے بعد کریم شامل کر کے آنچ دھیمی کر دیں۔

سرونگ باؤل میں نکالیں اور کریم سے گارنش کر کے مزے دار کریمی مٹر سوپ کو گرم گرم پیش کریں۔

چائنیز فریکسی

اشیاء:۔

مرغی (بڑے پیس)	آدھا کلو (ابال کر ریشہ کر لیں)
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
پسی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پسی سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
مٹر (ابال لیں)	ایک پیالی
چکن یخنی	دو پیالی
مکھن	چار کھانے کے چمچے
کارن فلور	آدھا کھانے کا چمچہ
ابلے انڈے	دو عدد
ہری پیاز	دو عدد

ترکیب:۔

دیگچی میں مکھن گرم کریں۔ مرغی کا ریشہ ڈال کر ہلکا سنہرا کر لیں۔ نمک، کالی مرچ، سفید مرچ، سرکہ، سویا ساس، مٹر، چکن، یخنی اور ہری پیاز ڈال کر دو منٹ تک پکائیں تیز آنچ پر اب کارن فلور آدھی پیالی پانی میں گھول کر اس میں ڈال کر مزید دو منٹ تک پکائیں۔

پیش کرتے وقت انڈے ڈال کر گرم گرم چائنیز فریکسی کا مزہ لیں۔ ابلے ہوئے چاول کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

مٹن یخنی پلاؤ

اشیاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
گھی	آدھا کپ
پیاز	دو عدد
لہسن	دس جوے
دھنیا ثابت	دو چائے کے چمچے
تیز پات	دو عدد